دلائل القرآن

از
(جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی)

اعجاز القرآن امام فراہیؒ کے حاشیہ پر صاحب نظام القرآنؒ نے اسباب اعجاز کی جانب متعدد جزیل حکیمانہ اشارات اور عجیب و غریب نکات کا اظہار فرمایا ہے جس کے مفہوم کو ہم اپنے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) ممکن ہے کہ کلام میں ایک ایسی لطیف چیز ہو مثل روح کے کہ جس کی ماہیت نہ سمجھی جا سکی ہو لیکن اس کے وجود پر آثار ہدایت سے استدلال کیا جا سکتا ہو کما قال تعالیٰ (اذا دعاکم لما یحییکم) یعنی جب وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف دعوت دے جو ایک بلند زندگی بخشتی ہے۔

قرآن مجید کا موثر ہونا ذوق سلیم سے معلوم ہو سکتا ہے جس کی تائید ان واقعات سے ہوتی ہے جو اس کے عظیم الشان اثر کے متعلق تاریخوں میں درج ہیں اور نیز اہل عرب کی روایات سے بھی پس یہ ایک چمکتی ہوئی روشنی اور ناقابل انکار دلیل ہے جیسا کہ توراۃ میں آنحضرت صلعم کی بشارت کے موقع پر آیا ہے اور مکاشفات یحییٰ میں بھی ہے کہ اس کے منہ سے ایک شمشیر براں نکلے گی تاکہ اس کے ذریعہ قوموں کو زیر کیا جائے۔

(۲) اس سلسلہ کے ماتحت معرفت حقیقت اعجاز قرآن ناممکن ہے محض اس کے آثار معلوم ہو سکتے ہیں۔ امام عبدالقاہر جرجانی وغیرہم نے غلطی کی کہ قرآن کا اعجاز نحوی اسالیب اور وجوہ بلاغت کو قرار دیا حالانکہ یہ تمام چیزیں اعجاز نہیں۔

(۳) اس رائے کو سامنے رکھتے ہوئے فن بلاغت کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسانی کلام کا منتہیٰ اس کے اقسام اسالیب اور ان کے مدارج معلوم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کلام معجز اور غیر معجز کا فرق نمایاں

طور پر محسوس ہوگا یعنی یہ معلوم ہو جائے گا کہ اول الذکر اپنے اثر ہی کی وجہ سے اور اس روح ہی کی وجہ سے جو دلوں کے اندر پھونکتا ہے اعجاز کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ ثانی الذکر میں یہ چیز نہیں پائی جاتی ہے اگرچہ اس کے اندر کتنی ہی بلاغت پائی جاتی ہو۔

(۴) اس رائے کی بنا پر یہ بحث ختم ہو جاتی ہے کہ بلاغت مصطلحہ پر اعجاز کا مدار نہیں بلکہ کتاب الٰہی کے اندر ایسی بلاغت ہے جس کی حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں لیکن اس کا عجیب اثر ارباب فکر اور اصحاب تقویٰ پر ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کے اندر لفظی و معنوی محاسن بھی بحر بیکراں کی طرح ہیں علماء بلاغت اپنی پوری جدوجہد کے باوجود بھی اس کے کچھ ہی حصہ تک پہنچ سکتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ کائنات کے اندر جو بے پایاں آیات و نشانیاں ہیں ان کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اعجاز قرآن کوئی ایسی چیز نہیں جس کو بڑی آسانی سے متعین کیا جا سکے بلکہ حضرت علامہ فراہیؒ کے ارشاد کا مقصد محض غور و فکر کی مزید سراغ رسانی ہے۔

ختم نبوت اور قرآن | آنحضرت صلعم کے زمانہ میں اہل عرب نے بہت سعی کی کہ قرآن عزیز کا معارضہ کر سکیں مگر باوجود اہل زبان ہونے کے معارضہ سے قطعاً عاجز رہے اور قرآن اپنا اثر بڑھاتا اور پھیلاتا رہا جب آپ کا زمانۂ وصال قریب ہوا تو ایک دوسرا قدم اور اٹھایا گیا وہ یہ کہ مکہ کے نبی کے مثل دوسرے خانہ ساز انبیاء (معاذ اللہ) پیدا کئے گئے۔ چنانچہ ۹ یا ۱۰ھ کے لگ بھگ یمامہ میں قبیلہ بنو حنیفہ میں مسیلمہ کذاب کا ظہور ہوا۔ یمن میں اسود عنسی۔ قبیلہ اسد میں طلیحہ بن خویلد۔ اور سجاح ذات القلم وغیرہ بنی تغلب میں نبوت کے دعویدار بن بیٹھے

(۱) مسیلمہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس پر آسمان سے وحی آتی ہے جس کا نام (رحمٰن) ہے اس کا نزول رات کی تاریکی میں ہوتا ہے نہ کہ دن کی روشنی میں۔

الفاظ وحی ملاحظہ ہوں کہتا ہے یا ضفدع یا بنت ضفدعین۔ نقی ما تنقین نصفک فی الماء ونصفک فی الطین۔ لا الماء تکدرین ولا الشارب تمنعین۔

سبحان اللہ یہ ہے وحی الٰہی الموسوم بہ قرآن۔ حالانکہ جس کو ذرا بھی عربی زبان کی ممارست ہوگی وہ خیر

کردے گا کہ یہ الفاظ زبان جاہلیت کے نہیں ہو سکتے اور نہ اس طرح کی باتوں کا کوئی ثبوت ہے مگر اس کو کیا کہا جائے کہ جاحظ جیسے ادیب اور بصیر کلام عرب کو دھوکا ہو جاتا ہے یا بطور استہزا کہنا پڑتا ہے لا ادری ما الذی هیج مسلیمة حتی ساء رایه فی الضفدع"

اسی مسلیمہ نے قرآن کی تقلید میں یہ الفاظ کہے والباذرات زرعا، والحاصدات حصدا والذاریات قمحا۔ والطاحنات طحنا۔ والعاجنات عجنا۔ والخابزات خبزا۔ والثاردات ثردا۔ واللاقمات لقما۔ اہالة وسمنا۔ لقد فضلتم علی اهل الوبر وما سبقکم اهل المدر...

جب طلحة النمری نے مسلیمہ کو دیکھا اور باتیں کیں تو کہا اشهد انك کذاب وان محمدا صادق ولکن کذاب ربیعة احب الینا من صادق مضر۔

(۲) اسود عنسی کی وحی کا حال بھی سننے کے لائق ہے وہ کہتا تھا کہ ایک فرشتہ جس کا نام (ذا خمار) ہے آسمان سے وحی لے کر اترتا ہے۔ یہ اسود عنسی فی الحقیقت ایک نہایت فصیح و بلیغ آدمی تھا جو زبردست کاہن اور سجع میں مشہور تھا امتداد زمانہ سے اس کا کلام ضائع ہو گیا یہ بھی نبوت خانہ ساز کے پانچویں سوار میں تھا

(۳) طلیحہ کی وحی ایک (ذا النون) نامی فرشتہ لے کر آتا تھا پھر اس شیطان کو جبرئیل کہنا شروع کر دیا گیا۔ اسی کا قول ہے صلوا قیاما فان الله لا یصنع بتعفیر وجوهکم وقبح ادبارکم

(۴) سجاح بنت الحارث کی وحی کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

(۵) مشہور شاعر متنبی جس نے بادیہ سماوہ میں ادعار نبوت کیا اور اپنے کلام کو قرآن کہہ کر ثبوت میں پیش کیا تھا نمونہ یہ ہے" والنجم السیار، والفلك الدوار، واللیل والنهار، ان الکافر لفی اخطار ...امض علی سنتك واقف اثر من قبلك من المرسلین فان الله قامع ابك زیغ من الحد فی دینه وضل عن سبیله الخ۔ بعد کو پھر اپنے اس ارادہ سے باز آگیا اور شعر و شاعری ہی میں کمال کو پہنچا مذکورہ بالا شہادتوں کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اور عربی کے اسی فقرہ کو پھر دہرا دینا پڑتا ہے" ولیس شان القرآن کشان کلام الناس۔ بلکہ قرآن اسیا لم

ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسے مخفی طریقہ اور اشارہ سریعہ سے طاری کر دیا گیا جو تحصیل علم کے معروف کسبی طریقوں سے مختلف اور ان الہاموں، سحر اور کہانت کے طریقوں سے جدا ہے جو بعض خواص اور مدعیان نبوت پر نازل اور طاری ہو جایا کرتے ہیں۔

زمانہ شاہد ہے کہ نزولِ قرآن سے لے کر ختم نزول قرآن بلکہ آج تک نہ تو قرآن عزیز کا معارضہ مقابلہ ہو سکا اور نہ نفوذ و اثر وغیرہ محاسن کلام کی جہانگیری کا انکار کیا جا سکا اور نہ رہتی دنیا تک اذا جاء کم بمالیجیبکم کی صداقت پر آنچ آسکتی ہے یہی تو وہ صداقت اور مفاد مندی الفاظ و معنی کی شہنشاہی ہے کہ میور جیسے کرم فرما کو مجبوراً اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو" ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ "ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو یعنی محمد صلعم، کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں"۔ اسی طرح ایڈورڈ گبن، پروفیسر براؤن، مسٹر کارلائل، ڈاکٹر لی بان اور بڑے بڑے سماجی ہیرو ٹرلک روسولو تھر، ٹالسٹائی اور مہاتما گاندھی قرآن کے قانون سے متاثر اور کلام خداوندی کے معترف تھے۔ چنانچہ ممالک یورپ میں وینس، ہمبرگ، لیپزگ وغیرہ مطابع میں قرآن طبع ہوئے اور بارہویں صدی عیسوی سے اس زمانہ تک ممالک جرمن، فرنچ، روم، انگلستان وغیرہ کے عالموں، ادیبوں نے قرآن مجید کے تراجم اور اقتباس سے جس قدر فائدہ اٹھایا اس کی تفصیل تطویل کا باعث ہے۔

قرآن کریم کا پہلا ہندی ترجمہ دنیا کے اندر جتنی زندہ زبانیں ہیں ان میں شاید ہی کوئی ایسی بدقسمت زبان ہو کہ اس میں قرآن مجید کا ترجمہ نہ ہوا ہو مگر اولیت کا سہرا جس ملک اور زبان کے سر ہے وہ ہندستان اور اس کی ہندی زبان ہے۔ مذہبی تعلقات میں یہ خبر حیرت سے دیکھی جائے گی کہ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ آج سے ہزار برس پہلے سندھ کے راجہ مہرو گ نے منصورہ (واقع سندھ) کے امیر عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ ایسے شخص کو میرے پاس بھیجئے جو ہندی میں ہم کو اسلام کا مذہب سمجھا سکے منصورہ میں عراق کا ایک مسلمان تھا جو مختلف زبانیں جانتا تھا ——— امیر نے راجہ کے دربار میں بھیجا اور وہ وہاں تین

ین تھا اور اس کی خواہش سے اس نے قرآن کریم کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا راجہ روزانہ ترجمہ سنتا تھا اس سے بے حد متاثر ہوتا تھا۔[1]

اگر مذہبی یعنی آسمانی کتابوں کے لکھنے والے انسان تھے تو قرآن کے سوا اور کون سی کتاب ہے جو چھوٹے بچوں کے سینوں میں محفوظ اور چودہ سو سال سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو معمور کئے ہوئے ہے نہ ایک حرف اور زیر زبر تک کی کمی بیشی ہوئی اور نہ ایک آیت کا معارضہ و مقابلہ کرنا دنیا کی تاریخ میں پایہ صحت اور معیار تحقیق پر پورا اترسکا تاریخ گواہ ہے کہ جنہوں نے اس طرح کا ارادہ کیا اور چند بے جوڑ فقرے لکھ مارے کیا قرآنی چیلنج "فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ" اور "بحدیث مثلہ" کا جواب ہو گیا ؟ ہرگز نہیں۔ اگر مذہبی کتابوں کے لکھنے والے انسان ہوتے تو ان کے کلام میں بھی انسانی جھلک ہوتی اور وہ تمام نقائص پائے جاتے جو فطری طور پر غیر معصوم انسانوں کے اندر ممکن ہیں اگر بحث کے طول ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم ان تمام مذہبی کتابوں کہ جن کے لکھنے اور تصنیف کرنے والے انسان تھے ایک ایک تار پود بکھیر دیتے اور دکھلا دیتے کہ انسانی کلام اور اللہ کے کلام میں اصولی اور امتیازی طور پر کیا فرق ہے مگر بے سود ہے کیونکہ بارہا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا ہے بقول حکیم سنائی ؒ

عجب نبود گر از قرآں نصیب ما است جز حرفے
کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نابینا

معارضہ قرآن کرنے والوں ابن المقفع اور ابو العلاء معری کا انجام اس کی تحقیق

امام ابو بکر باقلانی ؒ اور حافظ ابن قیم ؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ابن المقفع نے قرآن کا معارضہ کرنا چاہا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں جب سورۂ ہود کی اس آیت پر پہنچا حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ (الی قولہ تعالیٰ) وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ تو اپنے خیال سے باز آگیا و قال هذا ما لا يستطيع البشر ان يأتوا بمثله و ترك المعارضة واحرق ما الف قد اختلقه۔ یعنی ابن المقفع نے عاجز ہو کر کہہ دیا کہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن کے مثل لا سکے۔ اور معارضہ کرنا چھوڑ دیا اور جو کچھ گھڑ چکا تھا آگ میں جھونک دیا۔

ابو العلاء معری پانچویں صدی ہجری کا مشہور ادیب گذرا ہے جو مذہب میں نہایت آزاد تھا اس

---

[1] تعلقات عرب و ہند بحوالہ عجائب الہند صلہ

کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے سورۂ مرسلات کی آیت اِنَّھَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ كَأَنَّهُ جِمَالَةٌ صُفْرٌ کا معارضہ اپنے ذیل کے شعر میں کیا ہے ؎

حمراء ساطعة الذوائب فی الدجی ترمی بکل شرارۃ کطراف

ترجمہ: کہتا ہے آگ سرخ رنگ کی ہے اس کی مینڈھیاں تاریکی میں بلند و بالا ہیں ایسی چنگاریاں پھینکتی ہیں جو مثل چمڑے کے سرخ خیمہ کے ہیں۔

حضرت امام رازیؒ نے ابوالعلاء کے شعر مذکور کو آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مد نظر رکھا ہے اور حسب عادت تقریباً ۱۲ اعتراضات اس تشبیہ پر کئے ہیں اور شعر کی مٹی پلید کر دی ہے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر) اپنا خیال یہ ہے کہ جب تک کسی کے کلام کی صحیح توجیہ اور محل متعین ہو سکے خواہ مخواہ اس کی تغلیط کر کے ہدف ملامت نہ بنایا جائے علماء مصر نے ابوالعلاء کی کتاب "الفصول والغایات" دنیا کے سامنے پیش کی اس سے ادیب مذکور کے عقائد و خیالات پر روشنی پڑتی ہے اسی کتاب میں ہے خدا کے دربار میں مناجات کرتا ہے

ادعوك وعلی سوء لبحسن، وتلوی مظلم لکی بنیر۔ وقد عدلت عن المحجۃ الی بینات الطریق۔ وانت العدل ومن عدلك اخاف! یامن سبح له زرقة الافق وزرقة الماء وحمرة الفجر وحمرة شفق الغروب! وان كان الدمع يطفی غضبك فهب لی عینین كانهما متاشق رشتاء، تبلان الصباح والمساء، واعطنی فی الدنيا منك وجلا افوز بالاخرة فی الامان وارزقنی فی خوفك برد الدی وقد فاد بردا اهداء الدعوة له بالغدو والآصال الخ

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے۔

اقسم بخالق الخيل والريح الهابة بليل، بين الشرط ومطالع سهيل، ان الكافر لطويل الويل، وان العمر لمكفوف الذيل تعلمه امدارج السيل، وطالع التوبة من قبيل، تنج وما اخالك بناج الخ

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابو العلاء معری نے ہرگز قرآن کا معارضہ نہیں کیا ہے کیونکہ اس کا اونچے درجہ کا موحد اور گہرے درجہ کا مومن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ رافعی اعجاز القرآن میں صاف فیصلہ کردیتے ہیں۔ وتلک ولا ریب فریۃ علی المعری اراده بها عدو حاذق الخ[۱۴۹] یعنی اس طرح کی باتیں جو ابو العلاء کی طرف منسوب ہیں ان کے چالاک اور شاطر دشمنوں نے مرحوم کے سر تھوپ دی ہیں نہ یہ کہ قرآن کا مقابلہ (معاذ اللہ)

اصل یہ ہے کہ دنیا میں جتنے اچھے درجے کے ادیب ہوتے ہیں وہ سب کے سب اونچے درجہ کے کلام کے حفظ، تتبع اور تقلید سے ہوتے ہیں۔ ہر زبان کے اندر ادیب اور اساتذہ فن کا ہونا جس طرح مسلّم ہے اسی طرح ان کے کلام کو استشہاد میں پیش کرنا اور سند لانا لسانیات میں حجت مانا گیا ہے چوں کہ قرآن عزیز اپنی فصاحت و بلاغت اور ماورا فہم انسانی صداقت کا علمبردار، تاثیر اور نفوذ کا حامل اور جملہ انسانی کلام میں انسانی کلام اپنی ایک جدا شان، رفعت اور کمال رکھتا ہے اس لئے دنیا کے ادیبوں زبان اور کلام عرب پر عبور رکھنے والوں کو پہلے دہلہ میں غلط فہمی ہوئی چنانچہ مسیلمہ وغیرہم ماہرین زبان معارضہ مقابلہ پر اتر آئے اور تحدی قبول کرلی جو کچھ ہوا وہ دنیا کے سامنے ہے قرآن کے اول مخاطبین خالص عرب تھے اور وہ تھے کہ جن کی زبان کا سکہ چل رہا تھا اور دنیا کے تمام لوگ گونگے اور زبانیں عربی طلاقت لسانی اور شیوہ بیانی کے سامنے ماند پڑگئی تھیں جب یہ عاجز ہوگئے تو پھر کس مائی کے لال کو ہمت اور جرأت ہوسکتی تھی کہ وہ قرآنی چیلنج کا جواب دیتا۔ عجمی پیداوار میں متبنی اور ابن المقفع کا ذکر اوپر گذر چکا ہے کہ منہ کی کھائی اور سپر ڈال دینی پڑی مگر غریب ابو العلاء معری کا قصہ ان تمام سے بالکل جدا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ابو العلاء کے عقائد اور خیالات کا تعلق ہے وہ یقیناً خدا کے بارے میں بڑا متواضع اور کٹر خدا پرست تھا اور آخرت کی زندگی کا نہ صرف قائل بلکہ قیامت کا خوف رکھتا تھا البتہ ابتدائی زندگی جیسا کہ بہتوں کی رہی ہے اس کی بھی رہی ہے اعتبار ابتدا کا نہیں ہوتا ہے انتہا اور حسن خاتمہ کا ہوتا ہے اور خاتمہ کا قطعی علم بجز خدا کے کس کو ہے اس لئے اپنا یہ فیصلہ ہے کہ ابو العلاء نے قرآن کی چھوٹی اور بڑی سورتوں یا آیات کا جو تتبع کیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں کیا ہے کہ قرآنی چیلنج اور تحدی کا جواب دیا ہے بلکہ قرآن عزیز

ایک ایسی فصیح و بلیغ اور ادبی زبان لے کر دنیا کے اندر آیا ہے جس نے فنی ادب کے سارے کارخانہ کو سرد کر دیا اس سے متاثر ہو کر اس کی تقلید میں خود بھی نظم و نثر میں اس کا اظہار کیا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ دنیا کا ہر ادیب فنی اعتبار سے ہر بلند کلام سے متاثر ہوا ہے مگر کیا انسانوں نے انسانوں کے کلام کا پورا پورا مقابلہ کیا ہے اور کرتے ہیں جو ابن المقفع، متنبی، ابو العلاء، اور جاحظ ہوئے ہیں؟ اور کرتے ہیں کہ سعدی کی گلستاں کا جواب اور کامیاب جواب دے سکے ہیں؟ اور کرتے ہیں کہ مولانا شبلیؒ کی اردو اور مولانا آزاد کی خطابت اور سحر بیانی کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی ہے؟ جب انسانی مبلغ کا یہ حال اور تہی دامنی کا یہ عالم ہو تو خدا کے کلام کا مقابلہ کرنا معارضہ پر آمادہ ہونا اور تحدی قبول کرنا بجز ان کے دماغی عیاشی کے کیا کہا جا سکتا ہے؟ جس طرح سب نے منہ کی کھائی اگر خدانخواستہ ابو العلاء معری نے بھی اوروں کی طرح خدا کی جناب میں گستاخی کی ہے تو اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اوروں کا ہوا اور اس کے کلام کی بھی وہی نوعیت ہوگی جو اوروں کی ہوئی۔

مصحف عبداللہ بن مسعودؓ اور ایک علمی غلطی کا ازالہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہذلی بنو زہرہ کے حلیف اور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کا چھٹا مسلمان پایا اس وقت سطح ارض پر ہم لوگوں کے سوا کوئی اور مسلمان نہ تھا۔ مکہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے باعلان قرآن مجید پڑھا جب آپ اسلام لائے تو رسول اللہ صلعم نے اپنی خدمت میں رکھ لیا اور آپ خدمت میں رہنے لگے۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں تمہاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو۔ چنانچہ اندر آتے جاتے آپ کو جوتہ پہناتے آپ کے ساتھ آگے آگے چلتے جب آپ غسل کرتے تو پردہ کرتے اور جب آپ سوتے تو آپ کو بیدار کرتے حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی رسول اللہ صلعم کے ساتھ بدر اور خندق بیعۃ الرضوان اور تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے اور آپ کے بعد معرکۂ یرموک میں شرکت کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد کو بناتا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا خود ارشاد ہے کہ خدا کی قسم

قرآن کی کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اتری اور کس کے متعلق اگر مجھ کو یہ علم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جا کر علم قرآن حاصل کروں تمام صحابہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں کہ میں سب سے زیادہ قرآن کی بابت واقف ہوں حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں (صحاح وغیرہ) غرض آپ کی وفات حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ایک طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ فضائل و کمالات اور قرآن سے گہرا تعلق کہ گویا وحی الٰہی کی گود میں پرورش پائی اور دوسری جانب جملہ فرق اسلامیہ کا اجماعی مسئلہ کہ قرآن عہد نبوی صلعم میں مدون اور مرتب ہو چکا تھا اور صحابہ نے اس کو متعدد بار آنحضرت صلعم کو سنا دیا تھا جو بجنسہ آج ہم تک محفوظاً اسی ترتیب پر ہے جو لوح محفوظ میں تھا اور جس کو ہم مدلل طور پر ثابت کر چکے ہیں۔ پھر بھی امام بغویؒ کے مندرجہ ذیل فقروں کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے لکھتے ہیں۔

الصحابۃ رضی اللہ عنہم جمعوا بین الدفتین القرآن الذی انزلہ اللہ علی رسولہ من غیر ان زادوا ونقصوا منہ شیئاً . . . . وکان رسول اللہ صلعم یلقن اصحابہ ویعلمہم ما نزل علیہ من القرآن علی الترتیب الذی ھو الآن فی مصاحفنا بتوقیف جبریل ایاہ علی ذلک . . . . فان القرآن مکتوب فی اللوح المحفوظ علی ھذا الترتیب الخ

تیسری جانب یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں تین سورتیں نہ تھیں اور بقول بعض (معاذاللہ) ابن مسعودؓ اس کے قرآن ہونے کے قائل نہ تھے ابھی تک تو تین سورتوں کی توجیہات میں لوگ بلاوجہ پریشان تھے لیکن ہمارے کرم فرما شاہ معین الدین صاحب ندوی کو چوتھی سورۃ کی کمی کی فکر ہے کہ وہ کون سی سورۃ ہے؟ ملاحظہ ہو معارف جون ۴۹ء صفحہ ۴۲۲ اس کمی کی صحیح توجیہ اور تحقیق سے پہلے ہم ایک اور بات صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ شاہ صاحب موصوف نے حضرت ابی بن کعب کے مصحف کی سورتوں کی تعداد ابن ندیم وغیرہ سے ۱۱۶ نقل فرمائی ہے حالانکہ حسب تصریح

علامہ محمد صبیح مصری صحیح تعداد ۱۱۵ ہے کیونکہ حضرت اُبیؓ سورۃ الفیل اور سورۃ الایلاف کو ایک ملاتے تھے۔ بہرکیف ایک سورہ زائد ہو یا دو جو جواب اور حل ایک کا ہوگا وہی دوسرے کا۔ حضرت اُبیؓ کا قنوت اللّٰھم انا نستعینک ونستغفرک الخ کا دو سورہ ماننا اور حفد و خلع کے نام سے موسوم کرنا جس طرح کتابوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح یہ روایت ان عمر بن الخطاب قنت بعد الرکوع فقال بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اللّٰھم انا نستعینک ونستغفرک الخ قال ابن جریج حکمۃ البسملۃ انھما سورتان فی مصحف بعض الصحابۃ۔ کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے تاکہ آیندہ توجیہات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

اصل یہ ہے کہ مورخین حتیٰ کہ ارباب سیر تک کی روایات میں عموماً بے سروپا باتیں ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ نہ جرح و تعدیل سے سروکار نہ اتصال و انقطاع کی خبر اگر بعض نے سلسلۂ اسناد کا اعتبار کیا ہے تو یہ بھی رطب ویابس کی تفریق کئے بغیر ہر غث و ثمین کو درج کر دیا ہے خواہ وہ ابن ندیم ہوں یا سیوطی، ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن سعد ہوں یا ابی الحدید، طبری ہوں یا واقدی وغیرہم ان غیر مستند روایات اور بیانات کو ایک قطعی الثبوت شے کے مقابل لانا کب لائق اعتنا ہو سکتا ہے غور کا مقام ہے کہ کلام ناس اور کلام رب الناس میں جو بون بعید ہے وہ ظاہر ہے نیز جو فرق اسلوب کلام الٰہی اور کلام نبوی میں پہلے ہم بیان کر آئے ہیں اس کو تسلیم کرتے ہوئے دعائے قنوت اللّٰھم انا نستعینک الخ کی قرآنیت کو تسلیم کرنا اور پھر محدثین کرام کا اس قنوت پر گفتگو کرنا اور بعض کا عدم صحت کا حکم دینا سنن و آثار نبوی کے اندر موجود ہے کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اور کیا یہ وہی قرآن تھا اور قرآن کی سورہ کہ جس کی تحدی سے خالص اہل عرب عاجز تھے جس کا خبر رسول ہونا محل بحث میں ہو اس کا قرآن کی سورہ کے نام سے نقل کرنا ابن ندیم اور سیوطی ہی جیسے حاطب اللیل کا کام ہو سکتا ہے نہ کہ ایک دقیقہ رس محقق کا۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ سیوطی نے امام زرکشی کی کتاب کو نوچ کھسوٹ کر اتقان کو مرتب کیا ہے اور کتنی باتیں گھٹائی اور بڑھائی ہیں مانا کہ بعض بعض جگہ رد بھی کیا ہے اور کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ یہی حال ابن ندیم کا ہے اور کہنا پڑتا ہے سہ

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

بات یہ ہے کہ اس طرح کی جو روایات ملتی ہیں ان کا مرتبہ خبر آحاد سے آگے نہیں بڑھتا علماء اصول نے اس کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے اور اس طرح کی جملہ روایات یا تو کسی آیت کی شرح و تفسیر ہے یا قراءۃ اور مذاکرات ہیں جن کو اصحاب مصاحف قدیمہ نے لکھ لیا ہے موطا امام مالک میں بسند صحیح یہ روایت موجود ہے جس میں یہ فقرہ ہے حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین۔ یہ روایت بھی اسی قبیل کی ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ نے آں حضرت صلعم سے بطور تفسیر و تشریح کے سنا تھا اور اپنے مصحف میں درج کر رکھا تھا نہ کہ قرآن سمجھ کر اسی طرح کی روایات اور تشریحات کو بعد کے لوگوں نے اپنے مصاحف کے اندر یعنی متن کے ساتھ درج کر لیا ہے چنانچہ کتاب اختلاف مصاحف اھل المدینۃ واھل الکوفہ واھل البصرہ عن الکسائی وکتاب اختلاف المصاحف لخلف، وکتاب اختلاف اھل الکوفہ والبصرہ والشام فی المصاحف للفراء، وکتاب اختلاف المصاحف لابی داؤد السجستانی، وکتاب اختلاف المصاحف وجمیع القراءات للمدائنی، وکتاب اختلاف المصاحف الشام والحجاز والعراق لابن عامر الیحصبی، وکتاب محمد بن عبد الرحمن الاصفہانی فی اختلاف المصاحف ہمارے بیان پر شاہد عدل ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے اور تاریخی حقیقت بھی ہے جس کی تائید میں صحیح روایات موجود ہیں کہ اہل حمص نے یہ خیال کیا کہ ہم لوگ جس قرأت پر قرآن پڑھ رہے ہیں وہ دوسرے لوگوں کی قرأت سے بہتر ہے کیونکہ انھوں نے حضرت مقدادؓ سے قرآن سیکھا تھا۔ اہل دمشق بھی انھیں کی تائید میں تھے۔ اسی طرح اہل کوفہ کا خیال تھا اور یہ لوگ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ترجیح دیتے تھے اور اہل بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے تمسک کرتے تھے چنانچہ ان کے مصحف کا نام (لباب القلوب) رکھا گیا حضرت عثمان غنیؓ نے اس اختلاف کو محسوس کر کے حضرت حفصہؓ رضی اللہ عنہا کے پاس سے وہ قرآن طلب فرمایا جو عہد نبوی میں لکھا جا چکا تھا اور اس کی نقلیں ممالک اسلامیہ میں بھجوا دی گئی تھیں

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کا یہ وہ کارنامہ ہے جس پر تاریخ اسلام قیامت تک ناز کرسکتی ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو قاضی ابوبکر انتصار میں فرماتے ہیں "انما قصد جمعہم علی القراءات ... الثابتة المعروفة عن النبی صلعم والغاء ما لیس کذلک ... خشیة دخول الفساد والشبهة علی من یاتی بعد"

لہذا حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ایک یا دو سورتوں کی زیادتی یہیں سے ختم ہوجاتی ہے کیونکہ حسب تصریح ارباب سیر وتاریخ حضرت ابیؓ کی وفات عہد فاروقی میں مدینہ کے اندر ہوگئی ہے اور نقل مصاحف کی تاریخ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ثابت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے سامنے حضرت ابیؓ کا مصحف نہ رہا ہو یقیناً تھا جیسا کہ "سعد السعود" لعلی بن محمد میں ہے "نقلا عن کتاب ابی جعفر محمد منصور ورواية محمد بن زید بن مروان فی اختلاف المصاحف ان القرآن جمعه علی عهد ابی بکر زید بن ثابت وخالفه فی ذلك ابی وعبد الله بن مسعود ... واخذ عثمان مصحف ابی وعبد الله بن مسعود ... فغسلها وكتب عثمان مصحفا لنفسه، ومصحفا لاهل المدينة، ومصحفا لاهل مكة، ومصحفا لاهل الكوفة، ومصحفا لاهل البصرة، ومصحفا لاهل الشام۔

ان شہادتوں کے بعد حضرت ابیؓ اور ابن مسعودؓ کے مصاحف کے اندر سورتوں کی کمی بیشی کی بحث کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے مرتب کردہ مصاحف ابن ندیم اور سیوطیؒ نے خود دیکھے تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتب کردہ قرآن تو شیخ زنجانی نے [illegible]ھ میں نجف کے اندر خط کوفی میں لکھا ہوا دیکھا ہے جس کے آخر میں تحریر ہے کتبه علی بن ابی طالب فی سنة اربعين من الهجرة ۔ اگر یہ مشکوک ہے تو ابن ندیم و سیوطی کا دیکھنا کیوں نہ مشکوک مانا جائے پس سب مشکوک ہیں اور قطعی وہی قرآن ہے جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ وغیرہم کے حروب باہمی میں بطور حکم، خونریزی سے بچنے اور صلح وامان کے لئے اوپر اٹھایا گیا تھا وہی قرآن متداول ہے

جو عہد عثمانی میں آفاق عالم میں پھیلایا جا چکا تھا اور عہد عثمانی میں صحابہ کا اس پر اتفاق اور اجماع ہو چکا تھا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس لجنۂ عثمانیہ میں موجود تھے ملاحظہ ہو التبیان فی آداب حملۃ القرآن (نووی) اور امامیہ کے مسلم الثبوت مجتہد و محدث علامہ عبداللہ زنجانی کی تاریخ القرآن۔

مذکورہ بالا تحقیقات کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جانب جو غلط انتسابات ہیں ان کی حقیقت واضح ہو جاتی اور مزید کاوش کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے لیکن حسب وعدہ عروس قرآن کے چہرے سے اس گرد و غبار کو بھی پاک کرنا ایک دینی اور علمی خدمت ہے جو بدقسمتی سے اپنے ہی بزرگوں کے عدم تدبر کی بنا پر اسفار حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) قال ابن حجر فی شرح البخاری قد صح عن ابن مسعود انکار المعوذتین فاخرج احمد و ابن حبان عنہ انہ کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ۔

(۲) اخرج غیرہ ان عبداللہ بن مسعود کان یحک المعوذتین من مصاحفہ ویقول انھما لیستا من کتاب اللہ۔

(۳) اخرج البزار والطبرانی من وجہ اخر ان ابن مسعود کان لا یقرء بھما وکذلک کان یری ھذا الرای فی فاتحۃ الکتاب۔

اس لئے حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف میں سورتوں کی کل تعداد ۱۱۱ ہوتی ہے نہ کہ ۱۱۰۔ جن کتابوں میں ایک سو دس منقول ہے وہ یا تو سہو کاتب ہے یا غلط ہے لہٰذا تین کے بجائے چار کمی کو ماننا اور معوذتین و فاتحہ کے علاوہ کو پوچھنا ابن ندیم اور سیوطی کی تقلید کی بنا پر ہے نہ کہ تحقیق۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن حجر کی روایت پرستی مشہور ہے اس لئے ہم خود اس سے زیادہ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات سمجھتے ہیں البتہ امام ابو محمد علی بن حزم اندلسی کی تحقیق جن کے متعلق ابن بشکوال کی شہادت ہے کان ابو محمد اجمع اھل الاندلس قاطبۃ لعلوم الاسلام واوسعھم معرفۃ۔

اور حافظ ابو عبداللہ حمیدی کا یہ فقرہ ما رأینا مثلہ (التاج المکلل) جلالت علم و تحقیق کے

لئے سب سے بڑی دستاویز ہے۔ مذکورہ بالا روایات پر نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں علامہ ابن حزم فرماتے ہیں هذا كذب على ابن مسعود وموضوع۔ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی جانب جن مذکورہ بالا سورتوں کے قرآنیت کا انکار بیان کیا جاتا ہے یہ جھوٹ اور گڑھی ہوئی جعلی روایات ہیں۔

شیخ نووی شارح مسلم کا ارشاد ہے ان المسلمين اجمعوا على ان المعوذتين والفاتحة من القرآن، ومن جحد منها شيئاً كفر۔ وما نقل عن ابن مسعود باطل ليس بصحيح (شرح المہذب)

امام نووی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مسعودؓ سے جو نقل کیا جاتا ہے لغو اور باطل ہے اور ہرگز اس طرح کی روایات صحیح نہیں ہیں۔ اور جو قرآن کے کچھ حصہ کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں ان ابن مسعود كان ينكر كون سورة الفاتحة والمعوذتين من القرآن، وهو قول في غاية الصعوبة .... والاغلب على الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود نقل باطل

ظاہر ہے کہ صحابہ کے عہد مبارک میں جب متواتراً ان سورتوں کا قرآن ہونا مسلم ہو چکا تھا تو پھر انکار کے کیا معنی گویا معاذ اللہ، قرآن کا متواتر ہونا اس وقت ثابت نہ تھا حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں لہذا تواتر کے بعد انکار کفر کے مرادف ہے اور یہ بات ابن مسعودؓ کی طرف جو منسوب کی جاتی ہے بے اصل اور لاطائل ہے۔

احادیث کے تتبع سے بھی مذکورہ بالا تحقیقات پر روشنی پڑتی ہے خود موطا امام محمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت موجود ہے واذا صلى وحده قرء في الاولين بفاتحة الكتاب وسورة الخ۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ اسی طرح فاتحہ کو قرآن کی سورہ مان رہے ہیں جس طرح دوسری سورتوں کو۔ فتامل وتدبر۔

ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ جب عثمان غنیؓ نے تمام ممالک محروسہ میں عہد نبوی کے مدون قرآن مجید کی نقلیں بھیج کر آئندہ کے سارے جھگڑے ختم کر دئے تو پھر ابن مسعودؓ کے مصحف میں کمی کا سوال کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ ابن مسعودؓ کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی ہے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ

۳۱ھ کے بعد غالباً ۳۵ھ کا ہے اور ظاہر ہے کہ نقل قرآن کی تاریخ شہادت سے بہت پہلے کی ہے یعنی ۲۵ھ یا باختلاف روایت ۳۰ھ پس اگر کسی کو اصرار ہی ہو کہ مصحف ابن مسعودؓ میں معوذ چند سورتوں کی کمی تھی اور اپنے ثبوت میں انھیں کمزور اور لاطائل، باطل اور موضوع روایتوں اور تاریخی کتابوں سے استدلال کرے تو ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ جہاں سے تم کو یہ بے سروپا باتیں ملی ہیں وہیں یہ فقرہ بھی ہے توقف فیعلم عبد اللہ یامرھم بالھدھد والتزام الطاعۃ یعنی لجنۂ عثمانیہ میں اصحاب ابن مسعودؓ کو جب حضرت عثمانؓ کے مصحف " الامام " میں کچھ توقف ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی پارٹی کو عثمان غنیؓ کے مصحف کی اطاعت کا حکم دیا اور خاموشی پر مجبور کر دیا۔ لیجئے " جڑ کٹ گئی تخیل آرزو کی " البتہ شیخ ابن حجر کا یہ فرمانا " صح ابن مسعود انکار المعوذتین " کو کیسے غلط مان لیا جائے کیونکہ حافظ ابن حجر کا تبحر مسلم ہے تو پھر ابن حجر، قاضی ابوبکر باقلانی، صاحب روح المعانی، صاحب فواتح الرحموت، فرید وجدی اور صاحب شرح مواقف وغیرہم کی توجیہات کو کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں قطعاً شبہ نہ تھا وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ اور علاج تھا معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یا نہیں اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا اور قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے حالانکہ عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فعل سے بھی کسی صحابی نے اتفاق نہیں کیا۔ اسی بنا پر اجماع ہو گیا۔ فتلک الآحاد مما لا یلتفت الیہ لہذا قرآن آج بھی وہی ہے جو لوح محفوظ میں تھا باقی غلط خلاصہ یہ کہ یہ ہے صحت قرآن کی علمی و تاریخی تحقیق کا ایک ادنیٰ اشارہ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔

ان بزرگوں کے اسماء گرامی (رضی اللہ عنہم) جنہوں نے کم سے کم مدت میں حفظ کیا

اغانی اور اصابہ کے اندر موجود ہے کہ فرزدق کو جریر ہمیشہ پاؤں میں بیڑی پہنے ہوئے عار دلایا کرتا تھا لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرزدق شاعر نے کہا کہ ایک بار میں اپنے والد کے ہمراہ جمل کی طرف گیا وہاں حضرت علیؓ نے میرے باپ سے کہا کہ اپنے لڑکے کو قرآن مجید حفظ کرا دو چنانچہ جب تک میں نے حفظ نہیں کیا بیڑی پڑی رہی۔ چنانچہ فرزدق نے ایک سال میں حفظ

کیا اور ذیل کے شعر میں اپنے اسی واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے ؎

وما نصب جسمی فی حدید مجاشع مع القید الا حاجۃ لی اریدھا

مجاشع کی بیڑی جو میرے پیروں میں پڑی تھی اس کی وجہ صرف ایک مقصد تھا جسے میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔

باقی اسماء یہ ہیں۔ ہشام بن کلبی نے تین روز میں قرآن حفظ کیا (تذکرۃ الحفاظ)۔ سفیان بن عیینہ نے چار سال کی عمر میں حفظ کیا (قسطلانی)۔ قاضی ابو محمد اصفہانی نے پانچ سال کی عمر میں حفظ کیا (ملا علی قاری)۔ امام شافعیؒ نے سات سال کی عمر میں حفظ فرمایا (تاریخ الخمیس)۔ سہل بن عبداللہ تستری نے چھ سال کی عمر میں حفظ کیا (خزینۃ الاصفیاء)۔ میر سید اشرف سمنانی نے سات سال کی عمر میں حفظ کیا (خزینۃ الاصفیاء)۔ جلال الدین سیوطی نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ کیا (حسن المحاضرہ)۔ مولانا سید صدرامین نصیرآبادی نے نو برس کی عمر میں ایک سال کے اندر اندر حفظ کر لیا (یادگار سلف)۔

مذکورہ بالا اسماء حفاظ کے نقل کرنے کا مدعا ہے کہ آج درس قرآن کا بڑا زور اور شور ہے مگر حفظ قرآن پر کوئی توجہ نہیں درس قرآن ضرور بہتر چیز ہے مگر آج درس کون دے رہا ہے؟ وہ جس نے نہ تو اساتذہ سے پڑھا اور نہ ادب عربی سے اتنی ممارست ہے کہ تفسیروں کو سمجھ سکے یہ نہایت خطرناک قدم ہے اور جس کا مشاہدہ آج ہر ہر قدم پر ہو رہا ہے۔ یہ فریضہ اہل علم کا ہے نہ کہ کالج کے صاحبزادوں کا۔ سچ ہے ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی "اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی" البتہ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے بھلا اس علیم وخبیر کے کلام کے متعلق ایسا گمان کیوں کر کیا جا سکتا ہے جس پر عمریں بیت گئیں اور صدیاں گذر گئیں مگر اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے عجائب واسرار ختم نہ ہو سکے خود اس کتاب الٰہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطۂ علمی سے زمین وآسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی، اس کلام کی معجزانہ فصاحت وبلاغت، علوم ومعارف، اخبار غیبیہ، احکام وقوانین، اور وہ اسرار خفیہ جن کی تہ تک بدون توفیق الٰہی کے عقول وافہام انسانی

کی رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کتاب کی تاثیر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔ مستشرقین یورپ اور ان کے مقلدین کا مبلغ علم سطحی اور قشر تک محدود ہے ان کی ساری کاوش عقلی نظریات، احصار و ترتیب، جمع اور تفریق قرآن تک ہے لیکن مغز قرآن سے ان کو دور کا علاقہ نہیں نہ قرآن کی موسیقیت و جاذبیت، اسلوب اور اعجاز سے کوئی سروکار ہے اور نہ تاثیر اور کلام کی قدوسیت سے بہرہ۔ بقول سنائیؒ ؎

عروس حضرت قرآں نقاب آنگہ براندازد　　　کہ دار الملک ایماں را مجرد بینی از غوغا

پھر عروس قرآن اپنے جمال جہاں آرا کے نقاب کشائی کی تقریب کرے تو کیوں کر کرے یا تو پھر اصمعی جیسے ماہر کلام عرب سے پوچھو کہ قرآن کیا ہے جو نہ حافظ تھا اور نہ اسرار تشریع کا عالم مگر جب سورۂ مائدہ کی یہ آیت کریمہ کسی نے پڑھی السارق والسارقۃ الخ اور بجائے عزیز حکیم کے غفور الرحیم پڑھ دیا تو چونک اٹھا اور کہا کہ ذرا قرآن لاؤ یہاں غفور الرحیم کا موقع نہیں ہے کیا بات ہے چنانچہ قرآن دیکھا گیا تو عزیز حکیم تھا پھڑک اٹھا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو خدا کے کلام ہونے میں مجھ کو شک ہو جاتا خیر اس باریک نکتہ کو تو اصمعی ہی سمجھ سکتا ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ کلام پر بصیرت و حذاقت بخشے لیکن آج بھی جب ایک حافظ پڑھتے پڑھتے بھول جاتا یا الٹ پلٹ کر دیتا ہے تو غیر حافظ کو کھٹک پیدا ہو جاتی ہے اور بغیر مراجعت قرآن چین نہیں آتا۔ یہ صرف کلام الٰہی اور اس قرآن کی خصوصیت ہے جو لفظاً و معنیً اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ جس کے آج ہزاروں لاکھوں حافظ موجود اور بقول حضرت ربیع بن انس صدورہم اناجیلہم (حفاظ) ان کے سینے گویا کتب منزلہ ہیں۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ اوتوا العلم۔ جس طرح جمع صدر پر شاہد عدل اسی طرح وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا جمع کتابی پر واضح شہادت ہے اگر زمانہ نے مساعدت کی اور پیش نظر کاموں سے فرصت ہو گئی تو انشاء اللہ بعض دوسرے اہم مباحث اضافہ کر کے دلائل القرآن کو مکمل کر دوں گا سردست اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ